آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ — بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۱ء — نمبر ۸

سالانہ چندہ — عوام سے ۶ طلبا سے ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے باہتمام صدر انجمن کے اہتمام سے شایع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قرآنی بیانات کی صحت

سلسلہ کیلیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

علمی دنیا سے اب یہ امر مخفی نہیں کہ بائیبل کی بعض کتابوں کو اب خود عیسائی دنیا ناقابل اعتبار سمجھتی ہے اور بارہا یہ کوشش ہوچکی ہے کہ عہد عتیق کی بعض کتابوں کو اُن کے غیر معتبر ہونیکے باعث کتاب اقدس میں سے خارج کردیا جائے چنانچہ اس کے متعلق جوئش انسائکلوپیڈیا یعنی یہودیوں کے دائرۃ المعارف کے مصنفین کہتے ہیں ایک عرصہ تک " اس بات پر مباحثات ہوتے رہے کہ آیا حزقئیل کی کتاب اور سلیمان کی تین کتابوں (یعنی امثال ۔ واعظ اور غزل الغزلات) اور استر کو بھی کتاب اقدس میں شامل کیا جائے یا نہ ؟ حزقئیل کی مخالفت عارضی تھی اور اس کی وجہ اس کتاب اور توریت کا باہمی تضاد تھی ۔ بہت لوگوں نے چاہا کہ اس کتاب کو چھپا ڈالیں لیکن حنیناہ بن حزقیاہ بن گارون نے تیل کے تین سو پیپے خرچ کرکے اس کتاب کو واگذار کرالیا امثال کی بھی ہلکی سی مخالفت ہوئی اور اس مخالفت

کی وجہ بھی باہمی تضاد و تناقض ہی تھی۔ اسی سبب سے جھگڑا ہوا تھا کہ واعظ کی کتاب نہ پڑھی جایا کرے۔ بعض کے نزدیک واعظ کی تلاوت سے مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں کفر کی تعلیم ہے۔" آستر کے بارہ میں جوئش انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے "کئی ایک ذرائع سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا کتاب اقدس میں شامل ہونا یقینی امر نہیں ہے۔"

پادریصاحبان ان کتابوں کو معتبر ثابت کرنیکی جو دلیل دیتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ یہ کتابیں خدا کے الہام سے لکھی گئی ہیں اور کلام خدا ہیں۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ نہ تو ان کتابوں نے کہیں خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی انہیں سے بہت سی کتابوں کے مصنفوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری بھولے پادری صاحبان پر مدعی سست گواہ چست کی مثال صادق آتی ہے۔ بہرحال ہم پادریصاحبان کی اس دلیل کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مثال کے طور پر عہد عتیق وجدید میں سے نہایت معتبر اور ضروری کتابیں یعنی بائیبل کی پہلی پانچ کتابیں لیتے ہیں جو توریت کے نام سے مشہور ہیں۔ پادری صاحبان کا قول ہے کہ ان کتابوں کے مصنف خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ لوہا لوہے سے ہی خوب کٹتا ہے اس لئے ہم اُن کے اس قول کی تردید میں انسائکلوپیڈیا ببلیکا کے قابل یوروپین مصنفین کی رائے پیش کرتے ہیں وہو ہذا "عرصہ دراز ہوتا ہے جب یہ شکوک پیدا ہوئے تھے کہ آیا پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ کی اپنی لکھی ہوئی ہیں یا نہ۔ لیکن سترھویں صدی مسیحؑ میں یہ شکوک اسقدر مضبوط ہوگئے کہ اُن کا دبانا امر محال ہوگیا۔ یہ بات مشاہدہ میں لائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام صیغۂ متکلم میں نہیں بولتے بلکہ کوئی اور شخص اُن کا ذکر صیغۂ غائب میں کرتا ہے۔ اور اس شخص کا زمانہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے بہت عرصہ بعد کا ہے۔ پیدائیش باب ۱۲ درس ۶ کے اس فقرہ سے کہ "اُس وقت ملک میں کنعانی تھے" ناظرین کو بتلایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے پہلے ارض مقدس میں ایک اور قوم آباد تھی جو اب اُن کی یاد سے اُتر چکی ہے۔

پیدائش باب ۳۶ ورس ۳۱ کے یہ الفاظ "اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو" پیشگوئی کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے مصنف کا پتہ دیتے ہیں جو عبرانیوں کے ایام سلطنت میں ہوا۔ پھر گنتی باب ۲۱ ورس ۱۴ میں "خداوند کے جنگنامہ" کا جو حوالہ ہے اُسے موسیٰؑ کس طرح دے سکتے تھے جبکہ اس میں خود انکے اپنے کارناموں کا ذکر ہے۔ اور جب استثنا باب ۳۴ ورس ۱۰ (گنتی باب ۱۲) میں یہ کہا گیا ہے کہ "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا" تو ضرور مصنف کوئی ایسا آدمی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اور بہت سے انبیاء کے آچکنے کے بعد ہوا ہے۔ اور جب اسی زمانہ میں (سترھویں صدی میں) توجہ دلائی گئی کہ توراۃ کے واقعات مساوات۔ نقل اور تکرار میں متضاد ہیں تو یہ خیال دلوں سے نکل گیا کہ پہلی پانچ کتابوں کا مصنف کوئی واحد شخص ہے" انسائکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۲ کالم ۲۰۴۵ اور ۲۰۴۶ ۔

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جس کتاب کے تاریخی واقعات کو قرآن کریم کے قصص کی صداقت کا معیار قرار دیا جاتا ہے اُس کے اپنے تاریخی واقعات کہاں تک صحت کے قریب ہیں۔ چنانچہ توریت اور بائیبل کی دوسری کتابوں کے متعلق انسائکلوپیڈیا ببلیکا کا فیصلہ حسب ذیل ہے۔

اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے جبکہ عبرانیوں نے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی تھی انسائکلوپیڈیا مذکور میں لکھا گیا ہے کہ "تاریخ بننی پہلے ہے اور لکھی پیچھے جاتی ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ تاریخ نویسی کا شوق کسی ایسی بڑی کامیابی کے بعد پیدا ہوتا ہے جو کسی قوم کو اپنی ہستی کا احساس کرائی اور یہ خیال دلاتی ہے کہ اُس کے کارنامے اب قابل یادگار ہیں ..... اسرائیل کی تاریخ کا آغاز اُسوقت سے ہوتا ہے جب انکی تمام قوموں کا اتحاد ہوا اور فلسطینیوں کی حکومت کا جُوا انکی گردن سے اُتر گیا..... اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عبرانیوں کی سب سے پہلی تاریخ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی (یعنی دسویں صدی قبل از مسیح کے وسط میں) اور عبرانی تاریخ نویسوں نے سب سے پہلے گذشتہ

نصف صدی کے واقعات قلم بند کیئے۔ جب اس طرح تاریخ کا آغاز ہو چکا تو اسرائیلی مصنفین نے طبعاً اپنی قدیم تاریخ کو حوالہ قلم کرنے کا شوق کیا، جلد ۲ تاریخی لٹریچر ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں عبرانیوں کی تاریخ سے مراد بائیبل کی کتابیں ہیں جن میں اُن کی تاریخ درج ہے۔

مصنف ینابیع نے قرآن کریم کو سنی سنائی روایات کا مجموعہ قرار دیا ہے لیکن چاہ کن راچاہ درپیش پادری صاحب کی بائیبل خود اسی الزام کے نیچے آتی ہے صرف فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کے متعلق تو سوائے من گھڑت باتوں اور بائیبل کو پیش کرنیکے اور کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر بائیبل شریف کا بخیہ خود اُن کے اپنے بھائی اُکھیڑ رہے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ واقعی بائیبل سُنی سُنائی باتوں کا مجموعہ ہے چنانچہ یہودی تاریخ (یعنی بائیبل) کے ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے انسائکلوپیڈیا بابلیکا کے لائق مصنفین فرماتے ہیں "اسکے ماخذ اشعار۔ شجرہ نسب۔ مختلف قومی اور مقامی روایتیں متبرک خانقاہوں کی پُرانی کہانیاں۔ مقدس مقامات کے متبرک قصے .... قوانین۔ دیسی اور بدیسی توہمات۔ قبائل کا قدیم دستور، اور تمثیلیں۔ المختصر ہر ایک ایسی بات جو زمانہ قدیم کے متعلق شہادت دے سکتی .... ہمارے خیال میں ان ماخذوں کا بڑا حصہ قطعاً تاریخی نہیں"۔

عہد عتیق کی پہلی چھ کتابوں کے متعلق انسائکلوپیڈیا بابلیکا میں لکھا ہے کہ "نہایت قدیم اسرائیلی تاریخ کا ایک بڑا حصہ بائیبل کی پہلی چھ کتابوں کے اوراق میں درج ہے.... محققوں نے اس کی علامت حرف ج رکھی ہے اور ایسا ہی قاضیوں وسموئیل کے اکثر بابوں میں سے جو ج سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اسرائیل کی تاریخ ہم تک متواتر اور اصل حالت میں نہیں پہنچی۔ اس تاریخ کے جامع لوگوں نے اسے دوسرے ماخذوں کے ساتھ ملاتے وقت نہ صرف بعض حصص کو ہی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ایسے واقعات ایزاد کر دیئے ہیں جن کی نوعیت اور زمانہ اسرائیل کی تاریخ سے جداگانہ ہے"۔ "زمانہ قدیم کے عبرانی تاریخ نویس

اپنی تصانیف پر اپنا نام نہیں لکھتے تھے۔ اُن کو مصنف ہونے کا خیال و گمان بھی نہ تھا۔ جن قصے کہانیوں کو اُنہوں نے جمع کیا تھا وہ سب کا مشترک ورثہ تھے اور قلمبند ہونیکے بعد بھی بدستور اُنکی یہی حیثیت رہی۔ یہ تحریری نسخے بہرصورت ربی لوگوں یعنی اہل شریعت کے قبضہ میں ہوتے تھے... پہلی کتابوں میں روایات کے بڑے ذخیرے کا صرف ایک حصّہ درج تھا۔ بڑھانے والوں نے اور نئی نئی باتیں ایزاد کردیں لیکن ماخذ انکے بھی وہی تھے جو اصل مصنفین کے تھے۔ اس طرح ہر ایک نیا نسخہ تازہ ترمیم شدہ ہوتا تھا... ربیوں نے مختلف نسخوں کا باہم مقابلہ کیا اور اپنے سمجھ۔ قوت فیصلہ اور ذاتی مفاد کو مدنظر رکھکر اُن کے مضامین کو جمع کیا۔ سلیمانؑ کے وقت تک تاریخ نویسوں کے ماخذ محض مختلف المضامین اور مختلف الانواع روائتیں ہی تھیں۔ کسی تحریری یادداشت یا یادگاری عمارت کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ اگر چلتا بھی ہے تو اس میں بڑی حد تک شک کی گنجائش ہے۔"

ہمارے ناظرین! جو حوالجات ہم نے اُوپر دیئے ہیں یہ دراصل عیسائی یُورپ کے قابل ترین نہایت روشن خیال اور غیر جنبہ دار عیسائی مصنفین کی تحقیق اور رائیں ہیں جو انسائکلو پیڈیا ببلیکا میں بائیبل کی نہایت ضروری کتاب یعنی توریت موجودہ کے متعلق ظاہر کیئے گئے ہیں۔ جب نہایت مشہور اور ضروری کتاب کا یہ حال ہو تو باقی کا آپ خود اندازہ لگالیں پس اس شہادت کے مقابل پادری صاحبان کا یہ کہنا کہ جو تاریخی واقعات بائیبل میں بیان کیئے گئے ہیں وہ نہ صرف نقائص سے بری بلکہ تکمیل تک پہنچے ہوئے ہیں محض خام خیالی اور ہٹ دھرمی ہے۔

پادری صاحبان بار بار قرآن کریم کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے لہٰذا اس کے تمام واقعات معتبر اور قابل تسلیم ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ قرآن کو خدا کا کلام ہی نہیں مانتے بلکہ اُسے ایک انسان کی بناوٹ خیال کرتے ہیں تو آپکو اس شہادت کے پیش کرنے سے فائدہ ہی کیا؟ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ہی تھے جیساکہ عیسائی صاحبان

آپکو خیال کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن دراصل آپ ہی کا منصوبہ ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عیسائی اُس شہادت پر فخر و ناز کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنکی کتب مقدسہ کے متعلق ثابت ہو بلکہ یسوع کے پرستاروں کو تو ایسے فعل پر نادم ہونا چاہیئے کیونکہ جسے وہ (معاذ اللہ) جھوٹا سمجھتے ہیں اُس کے ہی الفاظ کو وہ اپنی کتب مقدسہ کی صداقت میں پیش کرتے ہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا بیشک اُسوقت پادری صاحبان حوالہ دے سکتے تھے اگر وہ آپ کو ایک سچا نبی تسلیم کرتے واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تسلیم کرنا گویا آپ کی وحی یعنی قرآن کریم کو خدا کی کتاب ماننا ہے اور یہ مسیحیوں کے لیئے موت ہے۔ اگر مسیحی اس موت کو جس میں ابدی زندگی ہے اپنے لیئے پسند نہیں کرتے تو اُن کا بار بار توریت کی مصدق آیات قرآنی کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا فضول ہے کیونکہ جو کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے وہ بڑی تحدّی سے اپنے متعلق بھی خدا کی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیحیوں کا مسلمانوں کو ان آیات کی طرف توجہ دلانا کیا معنے رکھتا ہے۔ اگر اُن کا یہ منشاء ہو کہ مسلمان قرآن کو چھوڑکر توریت کی پیروی اختیار کریں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لائیں اور دوسرے سے انکار کریں غرض اگر قرآن مجید کی اُس شہادت کو صحیح مانا جائے جو توریت کے متعلق ہے پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں قرآن مجید کے اپنے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ نہ تسلیم کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے مگر یہ بھی پوشیدہ امر نہیں کہ وہ اپنے منجانب اللہ اور آخری شریعت ہونے کا بھی بڑی تحدّی سے مدعی ہے پس ایک ہی کتاب کی ایک شہادت کو تسلیم اور دوسری کو رد کرنا سراسر معقولیت کے خلاف ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم (نعوذ باللہ) واقعی ایسے ہی ہیں جیسا کہ مسیحی واعظین اپنی تقریر و تحریر میں اُنہیں ظاہر کرتے ہیں تو پھر اُنکی شہادت اور عدم شہادت دونوں مساوی ہیں اور اُن کے اقرار یا انکار سے توریت خدا کا کلام ثابت نہیں

ہو سکتی ہاں اگر مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی شہادت سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو اُن کو لازم ہے کہ پہلے آپکی راستبازی کا اقرار کریں کیونکہ اس کے بغیر اُن کی پیش کردہ شہادت ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راستباز ماننے سے لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کو بھی خدا کا کلام اور آخری وحی تسلیم کیا جائے کیا مسیحی صاحبان ایسا کریں گے ؟

ہمارے مسیحی مہربان چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شہادت سے بائیبل کے بیان کردہ تاریخی واقعات کو صحیح ثابت کریں لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید اگر توریت کا مصدق ہے تو صرف موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ تاریخی حصہ کی مسلمانوں کی مقدس کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اشارۃً یا کنایۃً پُرانے یا نئے عہدنامے کے قصے کہانیوں کی تصدیق پائی جاتی ہو۔ ہمیں اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ قرآن توریت کا مصدق ہے یعنی موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے ؟ کہ ہر ایک بات جو پیدائیش یا خروج کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے وہ موسیٰؑ کے اپنے قلم سے ہے۔ ہم اس مضمون میں کافی شہادتوں سے یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ موجودہ توریت کے مصنف حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔ قرآن کریم سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی کتاب یا تاریخ لکھی تھی۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں انسائکلوپیڈیا پر مفصلہ ذیل الفاظ قابل ملاحظہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم توریت یا موسوی شریعت کو خدا کا کلام مانتا ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ بائیبل کی موجودہ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں وہ ضرور آپ کے اپنے قلم سے ہیں۔

"بائیبل کی قدامت" کے عنوان سے مذکورہ بالا دائرۃ المعارف میں لکھا ہے "اگرچہ عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابیں (موجودہ توریت) موسیٰ سے قریباً ایک ہزار برس بعد لکھی گئی ہیں تاہم ممکن ہے کہ توریت کے اصل بانی خود موسیٰؑ ہی

ہوں" جلد۲ کالم ۲۰۵۵

پھر ہم کہتے ہیں کہ اکیلی توریت پر کیا موقوف ہے قرآن کریم انجیل کا بھی مصدق ہے مگر قرآن کی تصدیق سے جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں ہرگز یہ مراد نہیں کہ قرآن موجودہ توراۃ کے قصوں یا موجودہ اناجیل کی کہانیوں کا مصدّق ہے بلکہ جس امر کا قرآن مصدق ہے وہ شریعت۔ پیشگوئیاں اور تعالیم ہیں۔ اور قرآن شریف کی تصدیق کا مفہوم صرف یہی ہے کہ توریت اور انجیل کی تعالیم پیشگوئیاں اور قوانین کا منبع اور مبدا در اصل خدائے تعالیٰ کا مقدس الہام تھا۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے جہاں کہیں توریت کی تصدیق کی ہے وہاں توریت کی پیشگوئیوں اور شریعت کی تصدیق ہے اور جہاں انجیل کی تصدیق کی ہے وہاں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کی تصدیق ہے نہ کہ اُن قصّے کہانیوں کی جنکے مصنف ایک جگہ متی۔ لوقا۔ مرقس یوحنا وغیرہ ظاہر کیئے جاتے ہیں اور دوسری جگہ کوئی گمنام لوگ ہیں۔ حاصل کلام قرآن کریم کی تصدیق کا صرف یہی مطلب ہے کہ توریت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو لاریب یہ خالص خدا کا کلام تھی مگر امتداد زمانہ اور عرصہ دراز کے بعد قلمبند ہونے سے اس میں انسانی تصرف ہوگیا اور جس طرح زرِ خالص میں ملاوٹ ہونے سے کم حیثیت ملمع بن جاتا ہے اسی طرح گو موجودہ بائیبل اپنی اصل ہیئت سے بدلکر کچھ اور کی اور بنی ہوئی ہے۔ تاہم باوجود اس تبدیلی کے اگر طالب حق موجودہ توریت و اناجیل کا بغور مطالعہ کرے تو اُسے سچی تعالیم اور پیشگوئیوں کی ایک بڑی تعداد کا پتہ چل سکتا ہے اور اُس کا قلب اُسے یقین دلا دیتا ہے کہ باوجود زیادہ کھوٹ کے اس ملمع میں زرِ خالص ضرور ہے۔ پس اگر قرآن ان کتابوں کا مصدق ہے تو وہ طالبِ حق کے دل کی طرح زرِ خالص کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ ملاوٹ کی۔ ....

...... ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک مسیحی مترجم قرآن کا بیان پیش کرتے ہیں

مسٹر راڈول اپنے ترجمہ کے ایک نوٹ میں صفحہ ۵۰۴ پر لکھتا ہے " قرآن میں جہاں کہیں انجیل کا لفظ آتا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ نیا عہد نامہ یا اُس کا کوئی حصہ مراد ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ (قرآن میں انجیل کے لفظ سے) خدا تعالےٰ کا وہ کلام مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا تھا"۔ اب اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جس طرح انجیل سے خدائے تعالیٰ کا وہ الہام مراد ہے جو حضرت مسیح پر نازل ہوا تھا اسی طرح توریت سے وہ الہام الٰہی مراد ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول ہوا تھا۔ غرض قرآن کریم سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عہد عتیق و عہد جدید کی کتابیں اپنی موجودہ حالت میں خدائے تعالیٰ کا کلام کہلانیکی مستحق ہیں۔ بلکہ اس کے متعلق قرآن کریم کا جو صریح فتویٰ ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (ترجمہ) بھول گئے ایک حصہ اُس چیز سے کہ نصیحت کیئے گئے تھے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)۔

یہاں صاف فرمایا ہے کہ نصاریٰ اُس کلام الٰہی کا ایک حصہ بھول گئے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا تھا۔

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (ترجمہ) پس وائے ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (پارہ اوّل سورہ بقرہ)

یہاں یہود و نصاریٰ کو ملزم کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو کلام اللہ کہتے ہیں۔

(۳) جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (ترجمہ) آیا ہے تمھارے پاس پیغمبر ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تمھارے بہت اُس چیز سے کہ تھے تم چھپاتے کتاب میں سے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)

اس جگہ اہل کتاب کو کلام الٰہی کے چھپانے کا الزام دیا گیا ہے۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ - (ترجمہ) کیا نہ دیکھا تُو نے طرف اُن لوگوں کے کہ دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے مول لیتے ہیں گمراہی کو اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راہ سے۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء)

اس آیت شریف میں اہل کتاب کو کلام الٰہی میں رد و بدل کرنے کا مزم ٹھہرایا ہے۔

اب اگر قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کو ایک طرف رکھا جائے اور اُن عبارتوں کو دوسری طرف رکھیں جن میں توریت و انجیل کی تصدیق ہے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ قرآن پاک نے کس بات کی تصدیق کی ہے کس کی تکذیب۔ یعنی اس میں شک کو قطعاً گنجائش نہ رہے گی کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہرگز اُس تمام رطب و یابس ہزلیات اور لغو کہانیوں کی مصدق نہیں جو موجودہ بائیبل میں بھری پڑی ہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل شدہ کلام الٰہی کا نام ہے۔ اور قرآن شریف کی شہادت کا مدعا یہ ہے کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور جو انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی وہ خدائے تعالیٰ کا کلام تھا۔

جب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بائیبل کے بیانات غلطی سے پاک نہیں تو کسی تاریخی واقعہ کو محض اس بنا پر کہ وہ بائیبل کے مطابق نہیں ہرگز غلط قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی پادری صاحبان کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو محض اس بنا پر جھوٹا قرار دیں کہ وہ بائیبل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ محض یہ کہدینا قابل وقعت نہیں ہو سکتا کہ چونکہ فلاں واقعہ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اُس کی تفصیل بائیبل کے بیانات سے مختلف ہے اس لئے وہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ جیسا ہم ثابت کر چکے ہیں خود بائیبل کے اپنے بیانات تصدیق کے محتاج ہیں اور اب اس امر میں قطعاً شک کی گنجائش ہی نہیں کہ بائیبل صحت سے دور اور ملاوٹ سے بھرپور ہے۔ اگر مسیحی صاحبان غور کرتے تو قرآن مجید کا بائیبل سے اختلاف کرنا بھی اس کتاب کی سچائی کی ایک دلیل تھی کیونکہ صحیح کتاب ہر بات میں اُس کتاب کے مطابق نہیں ہو سکتی جس میں اغلاط کی ملاوٹ ہو۔ قرآن کریم کا ایک نام فرقان یعنی فرق

کرنے والا بھی ہے قرآن کے نزول کی اصل غرض بھی یہی تھی کہ اہل کتاب نے اپنے نفسانیت سے خدا کے کلام میں جو ملاوٹیں کر دی تھیں اُن ملاوٹوں کو نکالکر واقعات صحیحہ اور اصل کلام ربانی دنیا کے سامنے رکھے پس فرقان حمید کا بائیبل جیسی مشتبہ کتاب سے اختلاف کرنا اصلیت کا اظہار ہے اور اس کتاب کے خدائے تعالیٰ کا کلام ہونیکی ایک دلیل ہے۔ الحمد للہ قرآن کریم کی جو بات دشمن کی نظر میں بڑا سقم اور عیب تھی جب غور سے دیکھا گیا تو وہی ایک بڑی خوبی اور زیور ثابت ہوئی۔ بات یہ ہے کہ در اصل قصور دیکھنے والے کی آنکھ کا تھا ورنہ اللہ کا کلام تو روشن اور چمکتا ہوا سورج تھا سو ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور۔ ایسا چمکا کہ صد نیّرِ بیضا نکلا۔

قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو غیر معتبر سمجھنے کی ایک اور دلیل جو پادری ٹسڈال صاحب نے دی ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات کی تفصیل اُن یہودی اور مسیحی روایات سے ملتی ہے جن کا ذکر بائیبل میں نہیں ہے۔ اس دلیل کے لانے سے پادری صاحبان کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ جن واقعات کو بائیبل نے چھوڑ دیا ہے انکو قرآن نے لے لیا ہے لہذا قرآنی واقعات غلط ہیں۔ لیکن بائیبل کی صحت کے متعلق جو ثبوت ہم ابھی ابھی دے چکے ہیں اُن کی بنا پر ہم بجرأت تمام یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہودی اور مسیحی روایات نہ تو محض اس بنا پر صحیح قرار دیجا سکتی ہیں کہ اُن کا بائیبل کی کسی ایک یا دوسری کتاب میں ذکر ہے اور نہ ہی محض اس وجہ سے اُن کی تردید کیجا سکتی ہے کہ بائیبل میں اُن کا اندراج نہیں جس طرح یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ بائیبل کی کتابوں میں اغلاط۔ بناوٹ اور ہزلیات کی ملاوٹ ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں اگر بہت غلطیاں ہیں تو کچھ سچائی بھی ہو یعنی جس طرح نئے اور پرانے عہد نامے کی کتابوں کو اغلاط سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا بعینہٖ اسی طرح یہودی اور عیسائیوں کی دوسری کتابوں کو جن میں اُن کی روایات درج ہیں سچائیوں سے خالی نہیں مانا جا سکتا۔ چونکہ مستند اور غیر مستند ہر دو قسم کی عیسائی کتب میں غلط اور صحیح واقعات کا خلط ملط ہے اس لیئے نہ کسی واقع کو محض بائیبل کی عدم مطابقت

کے سبب سے غیر صحیح مانا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی کتاب کو محض اس وجہ سے ردّ کیا جاسکتا ہے کہ اُس کے بعض بیانات کی تفصیل غیر مسلمہ عیسائی کتابوں کے مطابق ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر دو قسم کی کتابوں میں راستی کے ساتھ ضرور جھوٹ ملا ہوا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ایک میں راستی کم اور جھوٹ زیادہ ہو دوسری میں جھوٹ کم اور راستی زیادہ ہو۔ جب اس اصلیت کو ایک دفعہ پھر دوہرا دیا جائے کہ موجود بائیبل کے ماخذ بھی یہودی اور عیسائی روایات ہیں جن کو آج غیر مستند کہا جاتا ہے تو یہ امر اور بیّن ہو جائیگا کہ جس طرح منتخب شدہ کتابوں میں غلطیاں درج ہو گئی ہیں اسی طرح جہاں سے انتخاب کیا گیا ہی وہاں ضرور سچائیاں باقی تھیں۔

غرض اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً جس طرح بائیبل اور قرآن کریم کے کسی بیان کا اختلاف اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآن کا بیان غلط ہے اسی طرح قرآن کریم اور یہودی و عیسائی روایات کا تطابق اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتا کہ اول الذکر غیر صحیح ہے۔ ثانیاً جس طرح بائیبل میں سچائی اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے اسی طرح دوسری یہودی و نصرانی کتب میں بھی حق کے ساتھ باطل کا خلط ملط ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر قرآن کریم ان دوسری قسم کی کتب کے کسی بیان سے مطابقت کھاتا ہے تو اس کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن کریم سچّی کتاب اور خدا کا کلام نہیں۔ اگر ہم یہاں پر یہ بتا دیں کہ قرآن کریم کا ان غیر مسلمہ روایات سے جو تطابق ہے وہ بقول میور صاحب دراصل تطابق بھی نہیں کہلا سکتا کیونکہ صرف تفصیل میں جزوی مطابقت ہے نہ کہ کسی پورے واقعہ میں۔ چنانچہ سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں "اگرچہ ان غیر مسلمہ کُتب سے بعض تفاصیل میں (قرآن) مشابہت رکھتا ہے مگر یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ (بیانات (باہم) پوری مطابقت رکھتے ہیں"۔ پس اب اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں شاذ سچائی اور بہت جھوٹ ہے تو بھی پادری صاحبان کا اعتراض خود میور کے قول سے ردّ ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جس کا ذکر نہ بائیبل میں آئے

اور نہ ہی یہودی عیسائی روایات اس کا پتہ دیں مگر ایک اور الہامی کتاب اسے بیان کردے تو کیونکر اور کس بنا پر ایسے واقعہ کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے اور کیونکر ایسی کتاب کی تکذیب کی جاسکتی ہے جو اس نئے واقعہ پر بذریعہ الہام روشنی ڈالے۔ صرف یہ کہہ دینا دانائی نہیں کہ چونکہ بائیبل یا یہود و عیسائیوں کی دوسری کتب میں ایسے تاریخی واقعہ کا کوئی پتہ نہیں لہٰذا یہ واقعہ غلط اور جس کتاب نے اسے بیان کیا ہے وہ غیر صحیح ہے۔ حالانکہ بائیبل کی صحت کا وہ حال ہے جو بحوالہ انسائکلوپیڈیا ببلیکا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں اور دوسری تصانیف کو خود پادری صاحبان غیر مستند اور غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ انکے سوا سب غلط ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

پادری صاحبان کے نزدیک غیر مسلمہ تصانیف سے ذرا سی مطابقت رکھنا بھی کسی کتاب کے غلط اور جھوٹ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی مخالفت میں پادری صاحبان کچھ ایسے حواس باختہ ہیں کہ انہیں یا تو اپنے گھر کی خبر ہی نہیں یا محض تعصب سے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں کہ جن یہود و نصاریٰ کی روایات کو آج غیر مستند کتب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے "ایک دن تھا کہ بقول جوئش انسائکلوپیڈیا وہی بعض حلقوں میں مقدس کتب سمجھی جاتی تھیں" جلد ۲ صفحہ ۲۔ مسیحی لوگ خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ مسیحی مقتدایان مذہب نے بہت سی کتابوں کو زمانہ قدیم ہی میں غیر مستند قرار دیکر کتاب اقدس میں سے خارج کر دیا تھا تاہم اُن خارج شدہ کتب کے علاوہ ابتک بھی ایسی کتب موجود ہیں جو سالہا سال سے عیسائی دنیا کے ایک بڑے حصے میں مقدس کتب سمجھی جاتی ہیں۔ پادری صاحبان اس سے ناواقف نہیں کہ لاطینی اور یونانی بائبل میں سے بہت سی کتابوں کو پروٹسٹنٹوں نے نکالڈالا تھا مگر فرقہ کیتھولک نے کونسل اوف ٹرنٹ میں ان کتابوں کو برابر مستند اور مقدس قرار دیا وہ کتب حسب ذیل تھیں (۱) اول ایسدراس (۲) دوم ایسدراس

(۳) توبیت (۴) جوڈیتھ (۵) آستر کی کتاب کے باقی باب (۶) سلیمان کی حکمت (۷) سراک کے بیٹے یسوع کی حکمت (۸) باروک معہ یرمیاہ کے خط کے (۹) تین مقدس بچوں کا گیت (۱۰) سوسانہ کی تاریخ (۱۱) بعل اور اژدہا کی تباہی (۱۲) مناسئر کی دعا (۱۳) اوّل میکابیس (۱۴) دوم میکابیس۔

یہ کتابیں سوائے نمبر ۱ و ۲ و ۱۲ کے تاحال فرقہ رومن کیتھولک کے نزدیک کلام خدا کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس بائیبل پر انگلستان کے بادشاہ ابتک تخت نشینی کے وقت حلف اُٹھاتے ہیں اُس میں ایسی کتابیں موجود ہیں جن کو کلیسائی انگلستان غیر مستند قرار دیتا ہے ؂

اگر پادری صاحبان قرآن کریم کی صرف اس لیئے تکذیب کرتے ہیں کہ اُس کے بعض فقرات غیر مستند مسیحی کتب سے ملتے ہیں تو اُنہیں یہی فتویٰ نئے عہدنامے پر دینا پڑے گا کیونکہ عہد جدید کے مصنفین نے بھی ایسی ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن کا پروٹسٹنٹ بائیبل میں تو کیا خود اصل یونانی بائیبل میں بھی نام نہیں وہ حوالجات یہ ہیں۔ (۱) "یرمیاہ نبی" متی باب ۲۷ ورس ۹ (۲) "خدا کی حکمت" لوقا باب ۱۱ ورس ۴۹ (۳) 'حنوک' یہوداہ ورس ۱۵-۱۶ (۴) 'موسیٰ کا آسمان پر جانا' یہوداہ ورس ۹ (۵) 'مکاشفات ایلیا' افسیوں باب ۵ ورس ۱۴ و قرنتیوں باب ۲ ورس ۹ (۶) 'یسعیاہ کی شہادت' عبرانیوں باب ۱۱ ورس ۳۷ ؂

جائے تعجب ہے کہ مسیح کے پرستاروں کو اپنی آنکھ کا شہتیر تک نظر نہیں آتا ہے اور دوسرے کے تنکے پر اعتراض کر دیتے ہیں عہد جدید کے مصنف انہی غیر مستند کتابوں کا حوالہ دیں تو وہ قابل معافی مگر قرآن کی ذرا سی عبارت بھی اُن سے ملجائے تو قابل اعتراض اور لطف یہ ہے کہ خود مسیحیوں نے بحث مباحثہ کے وقت اُن کتابوں کے حوالجات دیئے ہیں جن کو اب غیر مستند سمجھ کر رد کیا جاتا ہے اور وہ پہلے یونانی بائیبل میں شامل تھیں ؂

معزز ناظرین مضمون ہٰذا میں ہم نے نہ صرف بائیبل کا اختلاف دکھایا ہے

بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ جن کتابوں کے مجموعہ کا نام یسوعی منا دخداوند کا کلام رکھتے
ہیں اور جس کو وہ قرآن کریم کے لیئے بطور معیار کے پیش کرتے ہیں وہ دراصل
چند لوگوں کے خیالات اور سُنی سُنائی روایات کا مجموعہ ہے اور اس میں تضاد
تناقض۔ توہمات۔ ہزلیات وغیرہ بکثرت بھرے ہوئے ہیں۔
اب اگر مسیحی واعظین انصاف کریں تو وہ اِس پُر اغلاط مجموعہ کتب یعنی بائیبل کو
ہرگز خدا کا کلام نہ کہیں اور نہ اس کو بطور معیار کے پیش کریں بلکہ یہ سمجھیں کہ خدا
کا کلام جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ہوا تھا وہ محرف و مبدل ہو گیا اور اسپر کہیں یہودی
ربیوں کے حاشیہ چڑھ گئے اور کہیں پولوسی جلا ہو گئی ہے ۔
مسیحی دوستو! ہمارا یہ مشورہ بے شک خیر خواہی اور نیک نیتی پر مبنی ہے
مگر آپ ہی غور کریں کہ اگر عام دنیا کے انسان خواہ کیسے ہی لائق کیوں نہ ہوں موجودہ
بائیبل کی بجائے کوئی اور انتخاب کریں تو اس میں بھی پہلے کی طرح غلطیوں کا امکان
ہو گا کیونکہ خدا کا کلام تو اُس وقت اچھی طرح سے انسانی کلام سے جدا کیا جاسکتا ہے
جب خدائے تعالیٰ خود ہی اپنے خاص الہام سے کسی کی دستگیری کرے
پس مسیح کے بعد کسی ایسے بہت بڑے ملہم کی ضرورت تھی جو خدا کا کلام پھر دنیا
کے سامنے اصلی حالت میں پیش کرتا ایسے ملہم کے الہامات بے شک فرقان
کہلائے جاسکتے اور تمام جھگڑوں کے لیئے وہی حکم قرار دیا جاتا تمھاری موجودہ
بائیبل سے بھی گہن میں آئے ہوئے سورج کی طرح پیشگوئیوں کی شعاعیں نکلتی
ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مریم علیہ السلام کے بعد کوئی اور سچائی
کی روح یا ملہم من اللہ آنے والا تھا اور اُس کی بعثت کی بڑی غرض بھلا
اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ حق کو باطل سے جدا کرتا اور اُس کے آتے ہی
باطل غائب اور حق ظاہر ہو جاتا۔ اور خدا کا کلام ایکدفعہ پھر کلام اللہ کہلاتا۔
مشورہ دیگر خود راستہ دکھانا شرط وفا نہیں اس لیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ
ابیا او لوالعزم ملہم اور حکم آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر

ہو چکا ہے اور جو شریعت اس کے ہاتھ میں دی گئی تھی وہ فرقان یا قرآن کریم ہے۔ مگر آہ مسیح کے پیرو وؤں نے اس مقدس کتاب کی جانچ کے لئے جو معیار مقرر کیا وہ اپنی پہلی محرف بائیبل تھی۔ بھولے ہوئے لوگو! حق کی شناخت کے لئے باطل کو معیار مقرر کرنا عقل و دانش کا شیوہ نہیں مثل مشہور ہے آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند۔ اے جناب جس طرح مہر انور کو ضرورت نہیں کہ اپنے اظہار کے لئے پرند شب کا محتاج ہو اسی طرح خدائے تعالیٰ کا اصل اور خالص کلام اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی بگڑی ہوئی کتاب اُس کی صداقت کا معیار ہو ع نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔ یہ کہنا بھی خدا کے کلام کی ہتک ہے کہ چونکہ کلام اللہ کی فلاں بات محرف و مبدل بائیبل سے یا دیگر یہودی یا مسیحی کتب سے ملتی ہے لہٰذا یہ سچی ہے۔ ایسی ہتک اور خدا کے کلام کی ہتک ایماندار انسان ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرقان حمید اگر خدا کا کلام ہے تو اس کے لئے قطعاً قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی سچائی کے لئے کسی محرف مبدل کتاب کی شہادت کا محتاج ہو جس طرح خدا کے نبی سلامتی کے فرزند اور امن کے شہزادے ہوتے ہیں اُن کا وجود اُن کی صداقت کا خود ایک نشان ہوتا ہے اسی طرح خدا کا کلام ایک چمکتا ہوا سورج ہوتا ہے اور وہ اپنی شعاعوں سے اپنے وجود کا خود اظہار کرتا ہے پس قرآن کریم اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ اس مُطہر کتاب نے ہزارہا عظیم الشان پیشگوئیاں دنیا کے سامنے پیش کیں اور وہ تمام لفظ بہ لفظ ایسی صفائی سے پوری ہوئیں کہ انکی قبل از وقت اشاعت اور پھر صفائی سے پورا اُترنا ہی اس کتاب کو اُس عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کرتا ہے جس نے موسیٰ و مسیح اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر پہلے زمانوں میں وحی نازل کی تھی۔ اُسی نے اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک شخص کو قدوسیوں کا سردار بنا کر اُس پر اپنا فضل کیا اور اُس پر اپنا کلام نازل کیا اس خالص وحی الٰہی میں کثرت سے غیب کی خبریں درج ہیں جن کی سچائی پر تاریخ عالم کے روشن صفحات شاہد اور گواہ ہیں۔ پس یہی ایک بے نظیر ثبوت اس امر کا ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک سورۃ منجانب اللہ اور الہام الٰہی ہے ایسے لوگ جن

ثبوت کی موجودگی میں ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق زید یا بکر کی کتاب سے کریں۔ جو بات ہمیں ثابت کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسی بارہ میں ہم نے رسالہ ہذا کے گذشتہ دو نمبروں میں بحث کی ہے۔ اور بائیبل کے مقرر کردہ معیاروں سے دکھا چکے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے سچے رسول اور آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی سچی اور کامل وحی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ مسیحی قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیسے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ انجیل کے معیار کے مطابق یہ اللہ کا کلام ٹھہرتا ہے یعنی یہ جو مسیحؑ نے انجیل میں کہا ہے کہ جھوٹا نبی اچھل درخت کی طرح کاٹا جاتا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے اگر نعوذ باللہ محمد رسول اللہ جیسا کامیاب نبی سچا نبی نہیں تھا تو پھر مسیح کا قول غلط ہے۔ نہ ہی یہودی قرآن کی صداقت سے مُنہ پھیر سکتے ہیں کیونکہ بحوالہ توریت ہم دکھا چکے ہیں۔ کہ جھوٹے نبی کو جو اپنی طرف سے ایک لفظ بھی جھوٹ بنا کر کہتا ہے خدا کے غضب کی آگ بھسم کر ڈالتی ہے۔ پس موسیٰؑ کے متبعین یا تو توریت کو جھوٹی کتاب کہیں یا محمد رسول اللہ جیسے منصور اور کامیاب نبی کو خدا کا مامور سمجھیں۔ ہم نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ ہر ایک سمجھدار اور ذی فہم انسان جب ایک طرف قرآن کی زبردست پیشگوئیوں اور اُن کے پُرزور الفاظ اور پھر اُن کے پُورا اُترنے پر نظر ڈالے گا۔ اور دوسری طرف اُن حالات کو دیکھے گا جن کے ماتحت یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں تو ضرور عقل سلیم اُسے اس بات کے ماننے پر مجبور کرے گی قرآن کریم خدائے تعالیٰ کی وحی ہے ؛

ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ جن واقعات کو قصّے سمجھا جاتا ہے وہ دراصل پیشگوئیاں تھیں اور اُنکے پُورا ہونے سے قرآن کی صداقت اور اس کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات پیشگوئیاں ہیں اور پیشگوئیاں بھی ایسی جن کے پورا ہونے سے اس کتاب کی سچائی کا اظہار اور اس کا کلام اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے کہ قرآن کا فلاں فلاں قصّہ غلط ہے

کیونکہ اس کا بائیبل سے تطابق نہیں۔ اور یہ بیہودگی اور زیادہ قابل مضحکہ بنتی ہے جب ہماری اس بات پر توجہ دیجائے کہ موجودہ بائیبل کسی صداقت کا معیار ہونیکے قابل ہی نہیں۔ مضمون ہذا میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ موجودہ بائیبل اور دوسری یہودی مسیحی روایات ہر دو قسم کی کُتب میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے۔ مسیحیوں کا فرض ہے کہ پہلے کوئی معیار بتلائیں جس کی روسے راستی اور ناراستی میں تمیز کیجا سکے اور یہ معلوم ہوسکے کہ فلاں امر صحیح اور فلاں غلط ہے۔ لیکن مسیحیوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ بائیبل میں جھوٹ اور سچ اس طرح ملا ہوا ہے جس کا جدا کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں جیسا ہم ابھی کہہ چکے ہیں یہ بات صرف ایک طرح ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کوئی نیا مُلہم پیدا کرے اور اُس کا کلام فرقان ہو کر سچ اور جھوٹ میں فرق کردے۔ یہ نیا الہام قرآن پاک تھا۔ جس کے مسیحی لوگ منکر ہیں اور اس کی بیان کردہ باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایسے یسوعی پادریوں کا یہ دلیل پیش کرنا سراسر خلاف عقل ہے کہ چونکہ قرآن کا فلاں بیان بائیبل کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے۔

طالبان حق! سنو اور غور سے سنو! مسیحیوں کی موجودہ بائیبل ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے کسی امر متنازعہ فیہ پر حَکَم بنایا جائے۔ صاحبو! آپ بائیبل کا خیال چھوڑ کر ہم سے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت مانگیں۔ اور اس کی پیشگوئیوں پر نظر تدبّر ڈالیں جب اسکی پیشگوئیاں اپنے پورا اُترنے سے اسے عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کریں تو پھر اس کے بیان کردہ واقعات خود صحیح اور درست ہیں۔ ہم مکرر کہتے ہیں کہ قرآن اپنا ثبوت آپ اور اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے مقرر کردہ معیار پر غور کرے۔ جو شخص حق کا جوئندہ ہو کر قرآن کریم کی صداقت کیلئے قرآن پر غور کرے گا اور ہمارے پیش کردہ ثبوت یعنی صرف اس کی پیشگوئیوں پر ہی نظر عمیق ڈالیگا اُسے ہمارے ہم آہنگ ہو کر کہنا پڑیگا سہ

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✿ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ✿ ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے ⁂ جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ⁂ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ⁂ مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اِک لفظ مسیحا نکلا

دانیال نبی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی

اَوَلَمْ تَأْتِہِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (سورہ طٰہٰ)

کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کی کھلی شہادت نہیں پہنچی ⁂

رسالہ ہٰذا کے کسی گذشتہ پرچہ میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ نبوکدنضر کے خواب میں جو پتھر مذکور ہے اصل میں اس پتھر سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود مقصود ہے اور یہ کہ اس خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمثیلی رنگ میں پتھر سے مماثلت دیگئی ہے چونکہ پتھر کا کام ہے کہ جو کوئی اس کے مقابل ہو اُسی چکنا چور کر دیتا ہے پس خدائے تعالیٰ کا قدیم سے یہی منشاء معلوم ہوتا تھا کہ مکہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے تمام دشمن پامال اور مغلوب ہونگے اور وہ حسب وعدہ الٰہی کامیاب ومنصور ہوگا۔ ہمارا منشاء ہے کہ مضمون ہٰذا میں محولہ بالا خواب پر مفصل بحث کریں اور یہ دکھلاویں کہ فی الواقعہ اس پتھر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود ہے۔ اس غرض کے لیئے ہم ذیل میں شاہ نبوکدنضر کا خواب اور دانیال نبی کی تعبیر درج کرتے ہیں تاکہ اصل الفاظ پر نظر ڈالکر ہمارے ناظرین کو اُس کی تعبیر کے سمجھنے میں آسانی ہو وہ خواب

یہ ہے ”تو نے اے بادشاہ نظر کی تھی اور دیکھ ایک بڑی مورت تھی وہ بڑی مورت جسکی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اُس کی صورت ہیبت ناک تھی اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا۔ اس کا سینہ اور اُس کے بازو چاندی کے اس کا شکم اور رانیں تانبے کی تھیں اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے اور تُو اسے دیکھتا رہا۔ یہانتک کہ ایک پتھّر بغیر اسکے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹکے نکالے آپ سے نکلا جو اس شکل کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اُنہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیئے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بھوسی کی مانند ہوئے اور ہوا اُنہیں اُڑا لیگئی یہانتک کہ اُن کا پتا نہ ملا اور وہ پتھّر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا“ دانیال باب ۲ ورس ۳۱-۳۵

مذکورہ بالا خواب کی تعبیر حضرت دانیال نبی نے اس طرح فرمائی ”تو اے بادشاہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس لیئے کہ آسمان کے خدا نے تجھے ایک بادشاہت اور توانائی اور قوّت اور شوکت بخشی ہے اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چوپائے اور ہوا کے پرندے تیرے قابو میں کر دیئے اور تجھے اُن سبھوں کا حاکم کیا تُو ہی وہ سونے کا سر ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اُس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کریگی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح کہ لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب ہوتا ہے ہاں لوہے کی طرح سے جو سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اُس ہی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کریگی اور کچل ڈالیگی اور جو کہ تُو نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی ماٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو وہ سلطنت منقسم ہوگی پر لوہے کی توانائی اس میں ہوگی اور جیسا کہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ ماٹی کی تھیں سو وہ سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی اور جیسا تُو نے دیکھا کہ لوہا گلاوے سے ملا ہوا ہے وے اپنے کو انسان کی نسل سے ملا دینگے لیکن جیسا لوہا مٹی سے

میل نہیں کھاتا جیسا لوہے باہم میل نہ کھائیں گے اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوویگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کریگی پہاڑ سے کاٹ نکالے آپ سے آپ نکلا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونیکو ٹکڑے ٹکڑے کیا خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونیوالا ہے اور یہ خواب یقینی اور اس کی تعبیر یقینی" دانی ایل باب ۲ ۳۷ - ۴۵ -

اب اس خواب اور اس کی تعبیر سے صاف ظاہر ہے کہ سونے کا سر خود نبوکدنضر یعنی سلطنت بابل تھی - چاندی کا سینہ اور بازو سلطنت میدیا (فارس) تھی تانبے کا شکم و رانوں سے سکندر اعظم کی سلطنت یونان مراد تھی جس کے بانی نے بگولہ کی طرح اٹھکر عرصہ قلیل میں اسوقت کی معلومہ دنیا کے ایک بڑے حصہ کو مغلوب و مفتوح کرلیا اور اس بات پر آنسو بہائے کہ مزید فتوحات کے لیئے کوئی ملک باقی نہیں رہا - لوہے کی ٹانگوں سے رومیوں کی سلطنت مراد تھی جو کہ سخت اور زور آور تھے اور جنہوں نے قوموں کی قومیں پاؤں تلے روند ڈالیں - واضح ہو کہ اس خواب میں کل دنیا کے سلاطین یا سلطنتوں کے متعلق پیشگوئی نہیں بلکہ صرف اُن سلطنتوں کا ذکر ہے جن کا نبوکدنضر سے تعلق تھا یعنی جن کے قبضہ میں سلطنت بابل یکے بعد دیگرے آنیوالی تھی - یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں کہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کی سلطنت کو ایرانیوں نے فتح کرلیا تھا - پھر ایرانیوں کو یونانیوں نے مغلوب کیا تھا - بعد ازاں سکندر اعظم کے مفتوحہ ممالک پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا غرض ہر سلطنت نے یکے بعد دیگرے فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اپنا تسلّط جمایا -

یہانتک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے تو مسیحی صاحبان کو کلی اتفاق ہے لیکن جب اس خواب کے آخری حصے یعنی اس شکل کو توڑنے والے پتھر کا ذکر آتا ہے تو ہمارے مسیحی دوست محو حیرت ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگ جاتے ہیں - گویا اس آپ سے نکلنے والے پتھر کا نام سنتے ہی اُن کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے مسیحی مفسرین نے اس مورت کے سر -

سینہ و بازو۔ شکم و رانوں اور ٹانگوں کا بالاتفاق وہی مطلب سمجھا ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں مگر اس شکل کے پاؤں کی انگلیوں اور اس ہیبت ناک مورت کے پاؤں پر گرنے والے پتھر کے متعلق اُن میں اس قدر اختلاف آرائے ہے کہ یہاں پہنچکر کسی دو کا باہمی اتفاق نہیں۔

معزز ناظرین! شاید آپ کو خیال آئے کہ جب اِسقدر علماء کو اس عبارت کا صاف مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور جب اُنکے خیالات ایک دوسرے کے متضاد ہیں تو ضرور یہ مقام بہت مشکل اور لاینحل ہے مگر ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ بات نہیں بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بات تو بالکل صاف اور بیّن تھی اور دانیال نبی کی تعبیر کا آخری حصہ بھی ایسا ہی واضح تھا جیساکہ پہلا حصہ مگر رکاوٹ یہ ہوئی کہ چونکہ مسیحی پادری ہر بات کو اپنے خداوند پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں اس لیئے وہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ کسی طرح دانی ایل کی کتاب کے اس مقام کو حضرت مسیح ناصری کے متعلق پیشگوئی ثابت کردیں۔ پس اُن کی اس کوشش نے پیشگوئی مذکور کے آخری حصہ کو اُنکے لیئے ایک معمہ اور چیستان بنا رکھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام خواب اور تعبیر میں جن سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے وہ ظاہر ہے کہ زمین کی حکومتیں ہیں نہ کہ صرف آسمانی اور روحانی۔ جس سلطنت کا یسوع نے وعدہ دیا تھا وہ "آسمان میں" ہونے والی تھی نہ کہ "آسمان کے نیچے" چنانچہ یسوع مسیح نئے عہد نامہ میں کہتے ہیں کہ "میری سلطنت اس دنیا کی سلطنت نہیں"۔ جائے حیرت ہے کہ ایک طرف تو نبوکد نضر کے خواب اور حضرت دانیال کی تعبیر میں ایسی سلطنت کا ذکر نہیں جو صرف آسمان سے تعلق رکھتی ہو بلکہ صریحاً اسی دنیا کی حکومتوں کا ذکر ہے اور دوسری طرف خود یسوع مسیح اپنی سلطنت کو آسمانی سلطنت بتاتے ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یسوع کے نام لیوا لوگ کیوں عقل سے دشمنی کرتے اور ایسی بات پیش کرنیکی سعی کرتے ہیں جس کی اصلیت ہی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یہودی لوگ بڑی شدّ و مدّ سے ایک مسیح موعود کے منتظر تھے جس کی نسبت اُن کا یقین تھا کہ

وہ آکر اُن کا بادشاہ ہوگا اور اُن کو رومیوں کے قبضہ سے نکالدے گا اور اُنکے لیئے زمین پر ایک سلطنت قائم کریگا۔ یہود کے اس خیال سے خود یسوع مسیح بھی متائثر ہوئے اور اُنکو بھی ایک زمینی سلطنت قایم کرنیکا خیال پیدا ہوا جس کے لیئے اُنہوں نے ایک موقعہ پر اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچکر تلواریں خرید کرلیں مگر آخر اُنکو اپنی اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور وہ سمجھ گئے کہ ایسی امید کرنا بے سود ہے۔ گو حضرت یسوع مسیح کو اپنی غلطی کا علم ہوا اور اُنہوں نے اس خلاف امید کو ترک کردیا لیکن اُن کے شاگرد آخری دم تک برابر اس خیال پر قائم رہے حتےٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا یہ حالت دیکھکر آپکے شاگردوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اُن کا ایمان متزلزل ہوا اور اُن میں سے بعض نے اپنے تئیں دھوکخوردہ سمجھ لیا چنانچہ ان میں سے دو نے واقعہ صلیب کے تیسرے دن بعد بھیس بدلے ہوئے اجنبی سے جو دراصل خود حضرت مسیح علیہ السلام تھے اماؤس کے راستہ پر یہ الفاظ کہے "پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کے حواری امید رکھتے تھے کہ اُن کا اُستاد ایک دن اسرائیل کا بادشاہ ہوگا اور اُنکو رومیوں کی حکومت سے آزاد کریگا۔ اور وہ خود اپنی سلطنت قائم کرے گا۔ آہ۔ غریب حواریوں کی امیدیں خاک میں ملگئیں اور حضرت یسوع مسیح کے آخری ایام میں جو واقعات پیش آئے اُن سے نہ صرف وہ مایوس ہی ہوئے بلکہ بعض کا ایمان بھی متزلزل ہوگیا۔ اور وہ خیال کرنے لگے کہ اُنہوں نے مریم کے بیٹے کو مسیح موعود ماننے میں جلد بازی سے کام لیا۔

الغرض حضرت مسیح ناصری کوئی حکومت قائم نہیں کرسکے پس ایسی حالت میں اس پیشگوئی کو۔ جس میں صریحًا ظاہری سلطنت کا ذکر ہے۔ ان کی طرف منسوب کرنا سراسر غلطی ہے۔ جو شخص اس خواب کے آخری حصہ سے حضرت مسیح ع

کی بعثت مراد لیتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ مسیح کی آمد سے قبل لوہے کی ٹانگوں یعنی رومیوں کا زوال ہونا چاہیئے تھا مگر برعکس ازیں مسیح کی پیدائش (جیسا کہ لوقا کی انجیل سے ظاہر ہوتا ہے) قیصر آگسٹس کے عہد حکومت میں ہوئی جو کہ رومیوں کا پہلا قیصر تھا گویا حضرت مسیح ایسے وقت دنیا میں آئے تھے جبکہ اہل روم قواعد دان فوجوں قابل جرنیلوں اور بے شمار دولت سمیت دنیا کے مالک تھے اور انکی طاقت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ رومیوں کی سلطنت کا زوال حضرت مسیح کے کئی سو سال بعد شروع ہوا یعنی اس کا آغاز آج سے کوئی پندرہ سو سال قبل ہوا۔ اور جب پتھر نے اس شکل کے پاؤں اور انگلیوں پر گرنا تھا وہ رومیوں کی سلطنت کے زوال سے پہلے وجود میں نہیں آسکتا تھا پس یسوع مسیح جن کی بعثت کے زمانہ میں اہل روم ملک کنعان اور دنیا کے مالک تھے ہرگز ہرگز وہ موعود پتھر قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ چونکہ ایک جھوٹ کو نبھانے کیلئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں اس لئے نبوکد نضر کے خواب کو مسیح پر چسپاں کرنیکے لئے ہمارے عیسائی دوستوں کو عجیب عجیب حیلوں سے کام لینا پڑا ہے اور اس کھینچ تان میں انہیں چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جن میں سے ایک تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اب دوسری اور ملاحظہ ہو۔ ہم ابھی ابھی کہہ چکے ہیں کہ خواب مذکور کی عبارت سے ظاہری سلطنتیں ظاہر ہوتی ہیں نہ کہ کوئی خیالی آسمانی سلطنت جیسا کہ مسیحی صاحبان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ نبوکد نضر اپنے بستر پر لیٹے لیٹے سلطنت بابل کی آئندہ حالت پر غور کر رہا تھا اور اس رویا میں اس کی سلطنت کے آئندہ انجام کا اظہار کیا گیا تھا۔ ایک زمینی سلطنت کے بعد دوسری زمینی سلطنت برپا ہونیوالی تھی یعنی جس طرح سلطنت بابل کی جگہ سلطنت ایرانی نے لی تھی اسی طرح ایرانیوں کی حکومت پر یونانیوں کا قبضہ ہونا تھا اور ازاں بعد سلطنت یونان کی جگہ رومیوں کی حکومت برپا ہونی تھی اسی طرح ان چاروں سلطنتوں کے بعد ایک پانچویں سلطنت قائم ہونی تھی اور سلطنت روم کی تباہی کسی خیالی آسمانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر

نہ تھی بلکہ اسی پانچویں ظاہری سلطنت کے سامنے رومیوں کو سرنگون ہونا تھا۔ اور جس وسیع سلطنت کی آیندہ قسمت پر شاہ نبوکدنضر اپنے خیالات کا اتار چڑھاؤ کر رہا تھا آخر وہ ملک اس پانچویں سلطنت کے زیرنگین ہونا تھا۔ اور رؤیا کے رو سے یہ پانچویں سلطنت ہی اس سلسلہ کی آخری حکومت ہونیوالی تھی اسکی تباہی کسی انسانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر نہ تھی بلکہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اس سلطنت کو ہمیشہ کے لیئے قابض و حاکم رہنا تھا۔ اب ہم مسیحی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ آیا کبھی تمہارے خداوند نے بھی کسی ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی؟ کیا اس نے چوتھی سلطنت کو تباہ کر کے اس کی جگہ کوئی نئی حکومت برپا کی تھی؟ ان سوالوں کا جواب سوائے نہیں کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بیچارے یہودی امید رکھتے تھے کہ اسرائیل کا بادشاہ آئیگا اور آکر انکو رومیوں کی سلطنت سے آزاد کریگا مگر جسے اسرائیل کا بادشاہ کہا جاتا ہے افسوس اس کی ذات سے ان کی کوئی امید پوری نہ ہوئی۔ مسیح کے بعض حواری بھی یہی امید رکھتے تھے کہ ان کا استاد اسرائیل کا بادشاہ بنکر ان کو رومیوں کی سخت حکومت سے آزاد کرے گا لیکن انکی امیدیں خاک میں مل گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ اسرائیل کا بادشاہ خود اسرائیلیوں کے ہاتھ سے صلیب پر کھینچا گیا۔ مسیحی لوگ کہتے ہیں کہ اگر یسوع مسیح نے کوئی زمینی سلطنت قائم نہیں کی تاہم وہ آسمانی سلطنت قائم کر گئے ہیں جسے زمینی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں زیر بحث مضمون میں کسی ایسی سلطنت سے سروکار نہیں جسے زمینی آنکھ نہ دیکھ سکے بلکہ دانیال کی کتاب سے تو بداہت یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانچویں سلطنت کا زوال مقدر تھا۔ بعض مسیحیوں کا خیال ہے کہ رومیوں کی سلطنت کا رفتہ رفتہ دین مسیحی اختیار کرنا گویا اس سلطنت کا مغلوب اور زوال پذیر ہونا تھا لیکن ایک سلطنت میں کسی خاص مذہب کا ترقی پکڑ جانا ہرگز ہرگز اس سلطنت کی تباہی و بربادی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں نبوکدنضر کے خواب کی تعبیر کرتے وقت اس خاص ملک کا ضرور لحاظ رہنا چاہیئے جو کہ فاتح یروشلم کے زیرنگین تھا۔ اگر اس رؤیا کے اصل منشار کا خیال رکھا جائے تو سلطنت بابل کے علاوہ اور ممالک کا مضمون زیر بحث سے کوئی

تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ جو ملک شاہ نبوکد نضر کی سلطنت کا جزو تھا صرف اُس کا اس خواب سے تعلق ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کا بیچ میں لانا غیرضروری اور اصل رؤیا کے خلاف منشار ہے۔ دنیا میں صرف نبوکدنضر ہی ایک بادشاہ نہیں ہوا نہ ہی سلطنت بابل کے علاوہ اور سلطنتوں کا وجود مفقود رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ نبوکدنضر کے خواب میں صرف وہی سلطنتیں دکھائی گئی ہیں جن کا تعلق شاہ بابل کی سلطنت سے آئندہ ہونیوالا تھا یا یوں کہو کہ اس خواب میں کوئی دنیا بھر کے ملکوں یا دنیا بھر کے سلاطین کا ذکر نہیں بلکہ صاف بات یہ تھی کہ ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کے آئندہ انجام کی فکر ہوئی اُس فکر میں اُسے نیند آگئی اور خداوند خدا نے اُسپر کھولدیا کہ آئندہ فلاں فلاں قومیں تیری سلطنت کی وارث ہونگی۔ اس رؤیا کو بائیبل میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ خود دانیال نبی کو بھی ایسا ہی خواب ہوا جس کا ذکر دانی ایل باب میں ہے جسپر تھوڑی غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوکدنضر کے خواب کو ہی ذرا وسعت کے ساتھ دوبارہ بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند بھی اس رؤیا کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ورنہ ایک بات کو دو دفعہ لانے سے کیا فائدہ تھا؟ آخر پھر اس میں راز کیا ہے کہ نبوکدنضر کا خواب دوبارہ حضرت دانیال کو بھی دکھایا گیا؟ اگر خواب کا تعلق صرف شہر بابل سے ہوتا تو اس شہر کے آئندہ انجام کو اس قدر اہمیت دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ البتہ اس اہمیت کی مستحق .... سلطنت بابل ہوسکتی تھی کیونکہ اس میں وہ شہر بھی شامل تھا جس کے باعث نبوکدنضر فاتح یروشلم کہلایا پس اس رؤیا کی اہمیت کا باعث یروشلم کا مقدس شہر یعنی بیت المقدس ہے اور اس رؤیا میں ایرانی۔ یونانی اور رومی سلطنتوں کا جو ذکر آیا ہے اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ اقوام یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے قدیم شہر بیت المقدس پر قابض ہونیوالی تھیں۔ لہٰذا اس رؤیا کی تفسیر کرتے وقت جو شخص ارض مقدس کے مقدس شہر یعنی بیت المقدس یا یروشلم کا اس خواب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ خواب کے منشار کو نہیں سمجھتا ہے۔ اب اگر

مسیحی تفاسیر کو اس معیار پر پرکھا جائے تو اُن کو صحت سے معرا پایا جاتا ہے مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ "آپ سے نکلنے والے پتھر" سے دین مسیحی کی اشاعت اور "چکنا چور" کر دینے سے رومیوں کی سلطنت کا مسیحی مذہب اختیار کر لینا مراد تھا۔ ہم انکی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیئے تسلیم کرتے اور اس کی صحت وعدم صحت کی جانچ کے لیئے اسے معیار بالا پر پرکھتے ہیں بے شک یروشلم کے باشندوں نے ایک وقت عیسائی مذہب اختیار کیا تھا لیکن کیا مسیحی مذہب کا قبضہ یروشلم یا ارض مقدس پر مستقل طور سے بھی رہا ؟ تاریخ کے صفحات پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے کہ جب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کی افواج ظفر امواج نے ارض مقدس کے موعودہ باغ کو فتح کیا تو آپ کے مقدس مذہب نے بھی رعیت کے مذہب کو مغلوب کر لیا اور جو ملک کبھی مسیحی تھا وہ مسلمان ہو گیا اور اب تک الحمد للہ مسلمان ہے اگر اس ملک کے مذہب عیسوی اختیار کرنے سے یہ رؤیا پوری ہوئی تھی تو پھر دین عیسوی کی سلطنت وہاں تا ابد قائم رہنی چاہیئے تھی کیونکہ پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے "اور وہی (سلطنت) تا ابد قائم رہے گی" ہم نے مانا کہ روما پر عیسائیت کا پھریرا لہرا رہا ہے ہم نے تسلیم کیا کہ نہ صرف تمام یورپ اور دونوں امریکہ دین مسیحی کے پیرو ہیں بلکہ اور بھی کئی ایک ایسے ممالک ہیں جہاں مسیحیت کا زور ہے مگر اس سے نبوکدنضر کے خواب اور دانیال کی تعبیر کو کیا تعلق اور مضمون زیر بحث سے اسے کیا واسطہ بات جب بنتی کہ نبوکدنضر کی سلطنت پر یاؤں کہو کہ ارض مقدس پر جہاں بیت المقدس واقع ہے دین مسیحی کا قبضہ ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کا مولد مسیح کے پیرووں کی ملکیت ہوتا ! یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہوا ہے یعنی اگر دین مسیحی کا دخل ایک وقت ارض مقدس پر ہوا بھی تو جھٹ اُس کی جگہ ایسے مذہب نے آلی جو عیسائی نکتہ خیال سے نعوذ باللہ کفار کا مذہب ہے اگر فلسطین کسی وقت مسیحی مذہب کا پیرو تھا یا مسیحی اصطلاح میں یوں کہہ لیں کہ کسی وقت وہاں مسیح کا راج تھا تو اب ظاہری وباطنی دونوں طور سے ملک فلسطین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے۔ یعنی وہاں کا زمینی بادشاہ اب بھی محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ چاکر ہے اور وہاں کے باشندے جن کے دلوں پر کسی وقت حضرت مسیحؑ کی حکومت تھی اب بطیب خاطر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش غلام ہیں۔ بعض عیسائیوں نے کوشش کی ہے کہ رؤیا مذکور کو پوپ کی طرف منسوب کرکے اُس کا پورا ہونا ثابت کردیں لیکن یاد رہے کہ مسیح کے راج کی طرح پوپ کی حکومت بھی ارض مقدس میں نہ کبھی ہوئی اور نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگی۔ جس پوپ کی حکومت کے جوئے سے خود اہل یورپ اپنی گردنیں ہٹا رہے ہیں اور جسے حال ہی میں پرتگال جیسے چھوٹے سے ملک نے سخت نیچا دکھایا ہے۔ اُس کی نسبت ارض مقدس پر حکمران ہونے کا گمان بھی باطل گمان ہے۔

اس پیشگوئی میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "آپ سے نکلنے والا پتھر" اس شکل کے پاؤں پر لگا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ پتھر چوتھی سلطنت کو "نیست" کرنے والا تھا نہ کہ رفتہ رفتہ دین مسیحی میں داخل کرنے والا۔ اب اس سے خود بخود اس خیال کا ابطال ہوجاتا ہے کہ چوتھی سلطنت کو نیست کرنیکے لیے مسیح کی کوئی "پوشیدہ سلطنت" قائم کی گئی تھی یا یہ کہ کلیسائے روم نے اس پیشگوئی کو پورا کیا تھا۔

کسی نے خوب کہا ہے ع خدا پنج انگشت یکسان نکرد یعنی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ایسا ہی عیسائی بھی سب کے سب یکساں نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے قلوب پر سچائی کا کچھ نہ کچھ اثر پڑ ہی جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی رائے ہے کہ اس مشہور رؤیا کا آخری حصہ نہ تو رومیوں کی سلطنت کے مسیحی دین میں آنے سے پورا ہوا ہے نہ ہی پوپ کی حکومت اسے پورا کرسکی ہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پتھر کے شکل کے پاؤں پر گرنے سے مسیح کی آمد اول مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ چوتھی سلطنت میں ابھی طوائف الملوکی نہیں شروع ہوئی تھی لہٰذا پاؤں میں کوئی انگلیاں نہیں تھیں۔ ان لوگوں کے نزدیک ابھی تک یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی نہ ہی چوتھی سلطنت تباہ ہوئی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ اسکا ظہور

مستقبل بعیدہ میں مسیح کی آمد ثانی کے وقت ہوگا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "عیسائیوں کا کام نیست و نابود کرنا نہیں۔ کیونکہ انکو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک حکومت کی اطاعت کریں پس یہ کام خود مسیح اپنی آمد ثانی کے وقت کریں گے۔ اس وقت مسیح کی سلطنت زمینی سلطنت نہیں۔ اُن کی آمد ثانی پر انکی حکومت زمینی حکومت ہوگی۔ حضرت دانیال کی پیشگوئی زمینی حکومتوں کے متعلق ہے اس لیئے وہ عیسائیت کا اسوقت تک ذکر نہیں فرماتے جبتک کہ عیسائیت ایک عالمگیر زمینی سلطنت نہیں ہولیتی یعنی جبتک مسیح کی آمد ثانی نہیں ہولیتی۔ خدا کی سلطنت آنکھوں سے اُس وقت تک پوشیدہ ہے جبتک کہ مسیح دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔ روم زمینی سلطنت تھی جبکہ وہ حالت کفر میں تھی گو اب مسیحی دین میں آچکی ہے تاہم اب بھی زمینی ہی ہے نئے عہدنامہ کی رو سے موجودہ زمانہ کفر والحاد کا زمانہ ہے جس سے ہم مسیح کو چھوڑنے کے بغیر محبت نہیں کرسکتے۔"

ہمارے ناظرین! مذکورہ بالا حوالہ سے مضمون زیر بحث کا جسقدر تعلق مسیح کی آمد اول سے ہے وہ تو صاف حل ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مورت کے پاؤں پر گرنیوالا پتھر مسیح نہیں تھا اور نہ ہی مسیح کی آمد اول سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا بالفاظ دیگر یُوں کہا جائے کہ جب مسیح کا زمین پر ظہور ہوا اُسوقت وہ موعود پتھر نہیں تھا۔ جب یسوع مسیح خود موعودہ پتھر نہ تھے تو اُن کے اس قول کے کچھ اور معنے ہونگے وہ فرماتے ہیں "جو اس پتھر پر گرے گا چُور ہو جائیگا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالیگا" متی باب ۲۱ آیت ۴۴۔ یہ مسلم امر ہے کہ متی نے جس پتھر کا ذکر کیا ہے وہ نبوکدنضر کے خواب کا پتھر ہے۔ پس اگر یسوع مسیح نے چوتھی سلطنت کو "نیست" نہیں کیا تو اُنکا نام "پتھر" نہیں رکھا جاسکتا۔ کیونکہ موعودہ پتھر کا کام چوتھی سلطنت کو تباہ کرنا تھا جب اُنہوں نے مورت کو ہی نہیں توڑا تو اُن کا نام پتھر رکھنا سراسر غلطی ہے۔ جس موعودہ پتھر کا ذکر یسوع مسیح کرتے ہیں اُس کی آمد ایسے وقت ہونی چاہیئے تھی جب خداوند کی بادشاہت یہودیوں کے گھر سے نکلکر ایک اور قوم کے پاس چلی جاتی* یہ بدیہی امر ہے کہ خداوند کی بادشاہت کو

* دیکھو متی باب ۲۱ درس ۴۳ و ۴۴

دوسری قوم کے ہاں تبدیل ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے لہٰذا وہ موعودہ پتھر بھی ضرور آچکا ہے۔ چونکہ یسوع مسیح نے رومیوں کی سلطنت کو نیست نہیں کیا لہٰذا وہ موعودہ پتھر نہیں ٹھہرائے جاسکتے جب وہ موعودہ پتھر نہیں تو اس پتھر کی کسی اور جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔

یہ اُمید رکھنا خام خیالی اور دھوکہ ہے کہ مسیح دوبارہ آکر اُس سلطنت کو نیست کریں گے جو رومیوں کی سلطنت پر حکمران ہے مسیحی دنیا یسوع مسیح کی آمد ثانی کا بے سود انتظار اُس وقت سے ہی کر رہی ہے جب سے اُن کا خیالی صعود ہوا ہے مسیحیوں کی تاریخ میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا جب یسوع مسیح کے پیرو اپنے خداوند کے نزول کے منتظر نہ رہے ہوں خداوند کے بادلوں میں سے اُتر آنے کی مختلف تاریخیں مقرر کی جاچکی ہیں مگر افسوس کہ ہمارے مسیحی دوستوں کی امیدیں نہ تو ابتک پوری ہوئی ہیں اور نہ آئندہ اُنکے پورا ہونیکی کوئی امید دکھائی پڑتی ہے اس کی وجہ صریحاً یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے دائیں ہاتھ پر ہرگز ہرگز نہیں بیٹھے جیسا کہ مسیحی لوگوں کا خیال ہے بلکہ دوسرے فانی انسانوں کی طرح ملک کشمیر محلہ خان یار شہر سری نگر میں زیر خاک سو رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی چند ایک قومیں جو بخت نصر کے ہاتھ سے بچ گئی تھیں اور جو ابھی تک ملک کنعان میں سکونت پذیر تھیں اُنکو آسمانی بادشاہت کی بشارت دیکر یسوع مسیح نے ایک سچے گلہ بان کی طرح گم شدہ بھیڑوں یعنی اسرائیل کی دوسری قوموں کی تلاش شروع کی اور آخر اُنکو افغانستان و کشمیر میں آباد پاکر اُنکی روحانی رہنمائی کی جس طرح کنعانی اسرائیلیوں کے درمیان عمر کا ایک حصہ گذارا تھا اسی طرح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پاکر آپ نے اپنی اور بھیڑوں کا خیال فرمایا اور اُن کے پاس آکر اُنکے درمیان سکونت اختیار کی آخر وہیں اُنکا وصال بھی ہوا۔ آپ کا مقبرہ ابتک عیسیٰ صاحب کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے بھلا جس شخص کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۱۹۰۰ برس گذر گئے ہوں وہ کیونکر اس عالم سفلی میں دوبارہ آکر سلطنتیں قائم کرسکتا ہے۔ عیسائی دوستو! اگر مسیح زندہ ہوتے تو اب تک ضرور آئے ہوتے وہ دوسرے عالم یعنی عالم اسرار میں ہمیشہ کے لیئے داخل ہوچکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے پرہیزگار مسیحیوں کو گو اپنے خداوند کی

آمد ثانی کا سخت انتظار کرنا پڑا۔ مگر یہ انتظار بے ثمر رہا اور منتظر لوگ اپنی امیدوں کو سینوں کے صندوق میں محفوظ رکھکر کمال مایوسی سے اس عالم سے سدھار گئے۔ اس امید و یاس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عیسائیوں نے مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کا انتظار ترک کر دیا ہے اور جو باقی ابھی تک برابر امیدوں میں لگے ہوئے ہیں انکی امیدیں بر آنا ناممکن و محال ہے ع این خیال است و محال است و جنوں۔ آنیوالا آچکا ہے اور کسی دوسرے کی انتظار اب بے فائدہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی لیکن اس کے یہ معنے کرنا کہ خود مسیح دوبارہ دنیا میں آئیں گے سخت غلطی ہے۔ جو لوگ ایکدفعہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں وہ ہرگز واپس نہیں آتے ابتدائے آفرنیش سے یہی سُنّت الٰہی رہی ہے۔ پھر اس پیشگوئی کے کیا معنے ہیں؟ اس کے جواب میں ہم بلا تامل کہیں گے کہ مسیح نے خود اس کے معنے کر دیئے ہیں جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسیح سے پہلے الیاس کا آنا ضروری تھا تو آپ نے فرمایا کہ الیاس موعود یوحنا بپتسما دینے والا تھا۔ اب بعینہٖ یہی معنے مسیح کی اپنی آمد ثانی کے کیئے جانے چاہیئیں یسوع مسیح کا قول عیسائیوں کے لیئے حجت اور معیار ہے پس جسطرح الیاس کی آمد ثانی سے خود مسیح نے الیاس کا مثیل یعنی یوحنا بپتسما دینے والا مراد لیا ہے اسی طرح مسیح کی آمد ثانی سے بھی مسیح کا کوئی مثیل ہی مراد لینا چاہیئے۔ اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ خود مسیح ناصری ہی واپس تشریف لائینگے تو اس سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ پتھر والی پیشگوئی آپکی آمد ثانی کے متعلق تھی۔ یسوع مسیح نے کسی جگہ بھی نہیں فرمایا کہ پہلی آمد کے وقت انکی آسمانی سلطنت ہے مگر دوسری آمد کے وقت زمینی سلطنت ہوگی۔ لہٰذا یہ کیا ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ جب مسیح دوبارہ آئیں گے تو انکی سلطنت زمینی ہوگی اور وہ ایک طاقتور زمینی بادشاہ کی طرح ظہور پذیر ہوکر حکمران سلطنت سے آمادہ پیکار ہونگے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مسیحی دوست کب تک ریت پر مکان بناتے جائیں گے اور کب تک غیر مدلل امور پیش کرکے دنیا کو ہنسی کا موقعہ دیتے جائیں گے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پتھر والی پیشگوئی سے مسیح کی آمد ثانی مراد ہے انکو غور کرنا چاہیئے

کہ اُن کے اپنے ہی بعض عیسائی اب حضرت مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا سمجھتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ آج دنیا کے ہر حصہ میں مسیحی منّاد خداوند یسوع کے نام کو پورے زور اور خلوص سے پھیلا رہے ہیں پس یہی مسیح کی آمد ثانی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح کی روح اب ہمارے درمیان موجود اور مسیحی کلیسیا کی رہبری و رہنمائی کر رہی ہے۔ اور یہی یسوع مسیح کی آمد ثانی کا مفہوم تھا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی صاف ایسی پیشگوئی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ یسوع مسیح اپنی آمد ثانی پر ایک زمینی عالمگیر سلطنت قائم کرینگے تو پھر یہ لوگ کیوں مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا سمجھتے ہیں

جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح موعود کے نزول پر پتھر والی پیشگوئی پوری ہوگی اُنکو یاد رکھنا چاہیئے کہ موعودہ پتھر نے پہاڑ ہونے سے قبل چوتھی سلطنت کو نیست کرنا تھا نہ کہ نیست کرنے سے قبل پہاڑ بنکر آنا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود پورے جلال سے عالمگیر سلطنت لیکر آئیگا بھلا اس عالمگیر سلطنت کا چھوٹے پتھر سے کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے؟ اس سلطنت کو تو پہلے چھوٹی اور پھر رفتہ رفتہ وسیع ہونا چاہیئے تھا کیونکہ پتھر نے رفتہ رفتہ پہاڑ بننا تھا نہ کہ پہلے ہی پہاڑ یعنی عالمگیر سلطنت لے کر آنا تھا۔ یہاں پر اگر کوئی یہ کہدے کہ مسیح کی سلطنت بھی رفتہ رفتہ عالمگیر ہوگی اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ خداوند کا پورے جلال کے ساتھ بادل پر سوار آسمان سے اُترنا لکھا گیا ہے نہ کہ پہلے گمنام اور پھر پورے جلال سے ظاہر ہونا۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ رومیوں کی سلطنت کو توصفحہ ہستی سے مٹے ہوئے عرصہ دراز گذر چکا ہے اور موعودہ پتھر کو ایسے وقت گرنا چاہیئے تھا جب وہ ”سلطنت“ موجود اور ”کچھ قوی اور کچھ ضعیف“ ہوتی ان الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ موعودہ پتھر کے مورت پر گرنے سے قبل چوتھی سلطنت موجود ہونی چاہیئے تھی۔ لہٰذا اس پیشگوئی کو حضرت مسیح ناصری کی خیالی آمد ثانی پر چسپاں کرنا غلطی ہے کیونکہ اول تو مسیحی اعتقاد کے بموجب دوبارہ آنیوالے مسیح کا جلال اسقدر ہوگا کہ اُسے چھوٹے سے پتھر سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی دوم یہ کہ

مسیحی عقیدہ کے بموجب

جس چوتھی سلطنت کو تباہ کرنے کے لیئے مسیح کی آمد ثانی کا انتظار کیا جاتا ہے اُس سلطنت کو صفحہ ہستی سے مٹے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں۔

معزز ناظرین! نبوکد نضر کے خواب کے آخری حصہ کو یسوع مسیح پر چسپاں کرنے کی بے سود کوشش اس امر پر دال ہے کہ مسیحی صاحبان اس پیشگوئی کو برمحل چسپاں نہیں کرتے پہلی چار حکومتوں کے متعلق مسیحی صاحبان میں کوئی اختلاف رائے نہیں مگر پانچویں سلطنت پر پہنچکر کھینچ تان سے اُسے مسیح کی سلطنت ثابت کرنیکا خیال انہیں راہ راست سے بہکاتا ہے آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ موعودہ پتھر کی تعبیر کرتے وقت اُن کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ حواس باختہ ہوکر ادھر اُدھر ہاتھ مارتے ہیں۔ اے کاش! یہ لوگ ایمانداری سے تاریخ کا مطالعہ کرتے اور خوف خدا سے اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں لگجاتے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ انہیں اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں ذرا بھی وقت محسوس نہ ہوتی جسکی نسبت کہا گیا تھا کہ "ایک پتھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹکے نکالے آپ سے نکلا جو اُس شکل کے پاؤں پر ۔۔۔۔ لگا اور ۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا"۔ اگر یہ لوگ تاریخ کو ایمانداری سے پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں تو اُنکی خاطر سے ہم ہی بتاتے ہیں کہ وہ موعودہ پتھر کون تھا۔ لیکن قبل ازیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے ناظرین کو دوبارہ یاد دلائیں کہ نبوکد نضر فاتح یروشلم کا خواب جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دراصل بیت المقدس کے آئندہ انجام کی پیشگوئی تھی اس لیئے خدا کے ہاں تمثیلاً اُسی شخص کا نام پتھر تھا جسکے زیر نگین ارض مقدس کا دارالخلافہ ہوتا تھا پس وہ موعودہ پتھر عرب کا برگزیدہ نبی تھا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناظرین کی سہولت کے لیئے ہم یہاں پر رومیوں کی سلطنت کے زوال کی نہایت مختصر سی تاریخ بیان کرتے ہیں وہو ہذا۔ یہ قیصر آگسٹس کا زمانہ تھا جبکہ رومی جمہوریت سلطنت روم کے نام سے موسوم کی گئی اور اس کا دارالخلافہ شہر روم تھا۔ قسطنطین اول نے جس کا عہد حکومت سنہ ۳۰۶ء سے سنہ ۳۳۷ء تک رہا اس سلطنت کا دارالخلافہ قدیم یونانی شہر بازنیطم میں منتقل کر لیا۔ اور اسے روم جدید کے نام سے موسوم کیا لیکن جدید دارالخلافہ اپنے بانی کے نام پر اُسی زمانہ سے برابر قسطنطنیہ کہلاتا رہا ہے۔ تھیوڈوسیس اول جس کا عہد حکومت سنہ ۳۹۲ء سے سنہ ۳۹۵ء تک ہوا ہے

سلطنت روم کا آخری بادشاہ تھا جسکی حکومت کل رومی سلطنت پر تھی۔ اس کی وفات پر اُس کے بیٹوں نے اپنے باپ کی سلطنت کو باہم تقسیم کر لیا۔ ہنوریس نے مغربی حصہ پر قبضہ کر لیا اور آرکیڈیس نے مشرقی حصہ پر تسلّط جما لیا۔ اس وقت سے سلطنت روم دو حصوں میں منقسم ہوگئی یعنی مغربی روم یا لاطینی حکومت اور مشرقی روم یا بازنطینی سلطنت۔ ہمیں مغربی سلطنت سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ بیت المقدس مغربی روم میں واقع نہیں تھا بلکہ مشرقی روم یعنی سلطنت بازنتیس کے ماتحت تھا۔ سلطنت غربی آخر تباہ ہوگئی اور غیر مہذب اقوام کے ہاتھوں میں آگئی۔ آخر ش ۴۷۶ء میں اس کا بالکل نام و نمود اُٹھ گیا۔ اور برائے نام رومن سینیٹ نے جو ابھی تک باقی تھی تاج اور زرد پوشاک جو مغربی سلاطین نے اپنی شناخت کا نشان رکھا تھا روم سے قسطنطنیہ بھیجدیا۔ اس تاریخ کے بعد سے مشرقی سلاطین نے اپنے آپ کو کل سلطنت روم کا وارث قرار دیا اور مشرقی حکومت کو سلطنت روم کہنے لگے۔ ۵۵۳ء میں اٹلی فتح کی گئی اور بازنتین یعنے سلطنت قسطنطنیہ کا ایک صوبہ بنایا گیا یہاں کے صوبہ دار کا تقرر قسطنطنیہ سے ہوا کرتا اور اُسے روینہ کا حاکم کہا جاتا تھا یہ حکام دوسو برس تک روینہ۔ روم نیپلز اور ایک حصہ ساحل پر حکومت کرتے رہے۔ الغرض غربی سلطنت روم کی تباہی کے بعد بھی عرصہ مدید تک قسطنطنیہ کے حکمران اٹلی کے مالک اور سلاطین روم کے لقب سے ملقب رہے۔ ان رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں وہ موعودہ پتھر ظاہر ہوا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت روم کا بادشاہ قیصر ہرقل تھا۔ یہ پتھر فاران کا مقدس نبی تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تمثیلی رنگ میں پتھر کہا گیا تھا۔ "یہ پتھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے اسکو کاٹے آپسے آپ نکلا" تھا یعنی اُس نے اپنے باپ دادا سے کوئی سلطنت میراث میں نہیں پائی تھی بلکہ خود بخود ایک سلطنت ایسے ملک میں قائم کی تھی جہاں اس سے پیشتر کبھی کوئی ایک سلطنت قائم ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ آخری سلطنت پہلی چار سلطنتوں سے بالکل مختلف تھی۔ یسوع مسیح کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکی سلطنت گو پہلی آمد پر دنیوی سلطنت نہیں مگر آمد ثانی پر وہ ایک عالمگیر حکومت کے بانی ہونگے۔ برعکس ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں کہ زمین پر بھی ایک سلطنت قائم کر گئے اور آسمان پر انبیاء علیہم السلام کی سلطنت ہوا ہی کرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع مسیح کو تو دنیا میں سلطنت قائم کرنیکی خواہش تھی چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں کو کپڑے بیچکر آلات حرب خریدنے کا حکم دیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طبیعت کے خلاف تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ مضمون زیر عنوان اشاعت اسلام میں دلائل سے ثابت کر چکے ہیں اور جہاں حضرت یسوع مسیح اپنی خواہش میں ناکامی ہوئی وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض الٰہی نصرت سے ہر جگہ بامراد ہوئے اور خدائے تعالیٰ نے آپ کی خواہش کے برخلاف آپکو دنیا کی سلطنت کا بھی مالک بنا دیا۔ یعنی حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی پڑی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت رومیوں کی سلطنت موجود تھی اور وہ سلطنت کسی قدر کچھ ضعیف تھی۔ اس سلطنت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام پتھر کی طرح گرے اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر یہاں پر کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمانوں نے رومیوں کی سلطنت پر کیوں حملہ کیا تو ہم کہیں گے کہ مضمون زیر بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہاں اس کی بحث بے محل ہے۔ البتہ جو صاحب اس سوال کا مفصل جواب دیکھنا چاہیں وہ ہمارے مضمون اشاعت اسلام کا مطالعہ کریں جو ریویو آف ریلیجنز کی گذشتہ جلد میں شائع ہو چکا ہے اور جسکا ایک حصہ اخبار وکیل نے کتاب کے طور پر شائع کیا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا اصل مضمون کو مد نظر رکھکر ہم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ جو چھوٹی سی سلطنت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ معظمہ میں قائم کی تھی وہ گو پہلے پہل غیر مشہور اور مختصر تھی یعنی ایک چھوٹے سے پتھر کے مشابہ تھی مگر وہ چھوٹا سا پتھر پہلے تو رومن سلطنت کے صوبوں پر گرا انکو ٹکڑے ٹکڑے کیا پھر رفتہ رفتہ رومیوں کی ساری سلطنت پر گرا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ گویا یہ چھوٹا سا پتھر جو آپ سے آپ نکلا تھا اس قدر بڑھا کہ مشرق سے مغرب تک پھیلا اور ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ یعنی وہ چھوٹی سی مختصر حکومت جو مدینہ میں قائم کی گئی تھی آخر وہ

ایک زبردست سلطنت ہوگئی اور ایک وقت چار دانگ عالم میں اس کا ہی ڈنکا بجتا تھا۔ اس طرح نبوکدنصر کے خواب کے آخری حصہ کی عظیم الشان پیشگوئی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پوری ہوئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اول جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ملک شام کے ایک حصہ اور عراق عرب پر مسلمانوں کا تسلّط ہوگیا اور خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عربی افواج نے مصر اور شمالی افریقہ کو مطیع و منقاد کرلیا۔ ۷۱۱ء میں عمامہ پوش عربوں کی ایک فوج نے جن کے ہاتھوں میں شمشیر ہائے برہنہ تھیں طارق بن زید کے زیر کمان پانی کے اُس تنگ قطعہ کو عبور کیا (جو افریقہ و یورپ کو جدا کرتا ہے) اور اُس چٹان پر اُتر کھڑے ہوئے جو آج تک اُنکے سپہ سالار کے نام سے موسوم ہے" پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگ قریباً سارے کے سارے جزیرہ نمائے اندلس کے مالک ہوگئے۔ اور بعد ازاں انہوں نے جزیرہ سسلی، اور جنوبی اٹلی کو بھی فتح کرلیا۔ یہ تمام ممالک سلطنت روم کے صوبجات تھے۔ آخر بازنطین سلطنت کا دار الخلافہ قسطنطنیہ بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام اور ہمنام کے ہاتھ پر فتح ہوگیا۔

یہاں پر یہ ذکر کردینا بے محل نہ ہوگا کہ قسطنطنیہ کی فتح کی پیشگوئی صرف دانیال کی کتاب ہی کے متعلق نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ آپ کا ایک ہمنام جو خدائے تعالیٰ کی آنکھ میں مہدی یعنی ہدایت یافتہ ہوگا اس شہر کو فتح کرے گا۔ اس پیشگوئی میں فاتح قسطنطنیہ کے ہمراہیوں کا بھی ذکر ہے یہ حدیث کتب احادیث میں فتح قسطنطنیہ سے کئی سو برس پہلے درج ہوکر شائع ہوچکی تھی۔ فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئی اور اُس کا محمد ثانی کے ہاتھ پر عین پیشگوئی کے مطابق فتح ہونا اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ وہ موعودہ پتھر جس نے چوتھی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اس پیشگوئی کا شائع کرنیوالا انسان ہی تھا۔ رومیوں کی سلطنت کے قدیم دار الخلافہ کو فتح کرنیوالے کا بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام ہونا گویا اس امر کی یاددہانی تھی کہ جو پیشگوئیاں دانیال کی کتاب میں مذکور ہیں اور جن کے مطابق

چوتھی سلطنت کا ایک پتھر سے تباہ ہونا لکھا ہے اُن کو پورا کرنے والا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے) پانچویں سلطنت کے متعلق لکھا گیا تھا کہ وہ تمام زمین کو بھر دیگی۔ اس سے یہ مراد لینا غلطی ہوگی کہ وہ در اصل ہر دو کرہ ارض پر پھیل جائیگی کیونکہ پیشگوئی میں تیسری سلطنت کے متعلق بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں حالانکہ یہ تیسری حکومت یعنی سلطنت یونانی کبھی بھی دنیا بھر کی مالک نہیں ہوئی۔ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ وہ سلطنت بڑی وسیع ہوگی اور ظاہر ہے کہ سلطنت اسلام اُس سلطنت سے کہیں زیادہ وسیع تھی جو سکندر اعظم کے زیر فرمان تھی۔ مضمون ہذا میں ہم نے متواتر اس بات پر زور دیا ہے کہ نبوکد نضر کا خواب شہر بیت المقدس کی آئندہ قسمت کا اظہار تھا پس ارض مقدس کا مقدس شہر ساڑھے تیرہ سو برس سے اب تک برابر پانچویں سلطنت کے زیر تحت ہی اور تا ابد رہیگا انشاء اللہ تعالیٰ)

اس عرصہ میں سارے یورپ نے عیسائیت کے متبرک مولد کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے کی اَن تھک کوشش کی۔ لیکن خدا کے کام ہیں کہ اُنکی یہ تمام کوششیں ناکام و نامراد ہو کر رہ گئیں پطرس راہب نے یورپ بھر کو جنگ مقدس کے لیئے اُبھارا اور ملک ملک میں وحشیانہ جوش کی آگ جلا دی عیسائی شہزادے اور بادشاہ بڑی بڑی افواج کے ساتھ بار بار ارض مقدس پر حملہ آور ہوئے لیکن خدائی ہاتھ نے اُنہیں بار بار ناکام و نامراد پھرایا۔ آٹھ مرتبہ صلیب کی بے شمار فوجوں نے فلسطین پر دھاوا کیا مگر بایں ہمہ یروشلم کا مقدس شہر مستقل طور پر انکے قبضہ میں نہ رہ سکا آخر اس ناکامی کی کوئی وجہ بھی؟ بس یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کے متعلق خدائے تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ "تا ابد" ارض موعود کی مالک رہیگی۔ کیا مسیحیوں میں سے کوئی سعید روح ایسی ہے جو اس موعودہ "پتھر" کو شناخت کریگی اور تین کی غلامی سے نکلکر ایک کی خادم ہو رہیگی۔ اے قدوس علیم۔ خبیر۔ قادر و قیوم خدا! اے اپنے وعدوں والے! اے سب سے پیارے آقا! تو نے جس طرح دانیال نبی پر آئندہ کے واقعات کھولے تھے اسی طرح تو مسیح ناصری کے پیروؤں کی آنکھ کھول تا کہ وہ موعودہ پتھر کے کارنامے دیکھ سکیں انکے کان کھول تا کہ وہ اس "پتھر" کے متعلق باتیں سُن سکیں ان کے دل کھول تا کہ "سر آپ سے آپ نکلنے والے پتھر" کے نام اور کام پر غور

کریں۔ آمین۔ آمین یا رب العالمین۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

تعلیم الاسلام ہائی سکول:- ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ بوجہ موسمی تعطیلات ۱۶- اگست لغایت ۳۰- ستمبر ۱۹۱۱ء ڈیڑھ ماہ کے لیئے بند رہیگا- جن احباب کے لڑکے یہاں پڑھتے ہیں انکو چاہیئے کہ سکول کھلنے سے دو تین یوم پہلے ہی بچوں کو یہاں بھیجدیں- تا وقت پر حاضر سکول ہو جاویں اس موقع پر بعض طلبار کو وصولی چندہ کی اجازت دیجائیگی- انکے نام اخبار بدر میں جلد شائع کیئے جاویں گے- لیکن یہ خیال رہے کہ ہر طالب علم کو اس کام کی اجازت نہیں دیجائیگی- اس غرض کیلیئے ایسے طلبار کے پاس رسید بکیں ہونگی- جو رقم وہ کسی سے لیں گے اسکی رسید اینی ضروری ہوگی جس کا مثنیٰ وہ اس کاپی میں اپنے پاس بھی رکھیں گے- امید ہے کہ احباب اس موقع پر بھی ہمت سے کام لے کے ان بچوں کی حوصلہ افزائی فرماویں گے- ایسے طلبار کو ایک سند دیجائیگی جس کے دکھانیکے بغیر وہ چندہ وصول کرنیکا مجاز نہ ہوگا-

چندہ تعمیر:- چندہ تعمیر کی وصولی کا کام حضرت میر ناصر نواب صاحب نے بڑی سرگرمی سے جاری کیا ہوا ہے- انکے ساتھ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی بھی سفر میں ہیں خدائے تعالیٰ ہر دو صاحبان کو جزائے خیر دے- اور انکی سعی میں برکت دے- اس عمر میں میر صاحب کے یہ سفر ایسی گرمی میں انکے سچے اخلاص اور جوش کو جو خدا تعالےٰ نے انکو عطا فرمایا ہے ظاہر کرتے ہیں- جناب میر صاحب نے اس سفر میں بالفعل مندرجہ ذیل رقوم ارسال فرمائی ہیں گوجرانوالہ و وزیر آباد سے ڈیڑھ سو گجرات سے ایک سو اور لالہ موسیٰ سے صعہ بھیرہ سے صہ پنڈ دادنخاں سے ایک سو ایک جہلم سے ایک سو ایک- پشاور سے یتامیٰ کیلیئے للعہ مردان سے عہ-

امداد کی درخواستیں:- مساکین وغیرہ کی امداد کے لیئے درخواستیں بھیجنے والے مطلع رہیں کہ اسوقت گنجائش مطلق نہیں- جو صاحب درخواست بھیجنا چاہیں وہ آئندہ اپریل میں بھیجیں- اسوقت جو یہ طریق جاری ہے کہ احباب کسی مسکین یا قابل امداد شخص کو حضرت خلیفۃ المسیح کے نام رقعہ دیکر بھیجدیتے ہیں- یہ ایک بے ادبی بھی ہے چاہیئے کہ پہلے خط و کتابت کر کے گنجائش کا حال دریافت کر لیا کریں- بعض یتامیٰ ایسے آجاتے ہیں کہ انکے ہاتھ میں ایک رقعہ تو ہوتا ہے مگر کسی کی م